حقیقی دیدار

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

ریسرچ ایسوسی ایٹ یونیورسٹی آف مونٹریال

کنیڈا

خانۂ حکمت، ادارۂ عارف

تلاشِ معرفت

جی ہاں، روحِ انسانی تلاشِ معرفت کی غرض سے دنیا میں بھیجی گئی ہے، لیکن اس گنجِ گرانمایہ کے راستے میں عجیب و غریب طلسمات سامنے آتے رہتے ہیں، کیونکہ یہ خزانہ انتہائی انمول اور نایاب ہے، اسی لئے آزمائش کا سلسلہ بڑا طویل اور بے حد دشوار ہے، تاہم ہادیٔ برحق کے دامنِ اقدس سے وابستگی اور علمی خدمت سب سے بڑی سعادتمندی ہے۔ یہ پُرمغز اور شایانِ شان الفاظ جان نثار سیکریٹری آنسہ زہرا جعفر علی اور ان کے نیک بخت خاندان کے لئے بہت ہی مناسب ہیں۔

فہرستِ عنوانات حقیقی دیدار

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	اظہارِ تشکر	۳
۲	دیدارِ مبارک	۶
۳	عرش اور امامؑ	۱۰
۴	آدم اور امامؑ	۱۱
۵	انبیاءؑ اور امامؑ	۱۲
۶	قدِ آدم اور امامؑ	۱۳
۷	خانۂ کعبہ اور امامؑ	۱۴
۸	آنحضرتؐ اور امامؑ	۱۶
۹	وسیلۂ ہدایت	۱۸
۱۰	اہلِ بیت اور امامؑ	۱۹
۱۱	مومن کا دِل اور امامؑ	۲۱
۱۲	اطاعت، محبت اور دیدار	۲۲
۱۳	وسیلہ اور دُعا	۲۳
۱۴	دیدارِ خداوندی	۲۴
۱۵	ناادرفتا	۲۹

اظہارِ تشکّر

بزرگو، بھائیو، بہنو ، دوستو اور عزیزو! سب سے پہلے مجھے ضرور یہ کہنے دیجئے کہ آج وہ زمانہ نہیں رہا، جسے زمانۂ قدیم کہا جاتا ہے، ہر چند کہ اُس میں بھی کئی مُفید پہلو پوشیدہ و پنہان ہیں، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ زمانہ جس میں آپ اور ہم سب زندگی گزار رہے ہیں، علم و فن اور حکمت و فلسفہ کی انتہائی ترقی کا ہے لہٰذا اس میں یہ امر نہایت ہی ضروری ہُوا ہے کہ اپنی عزیز قوم اور پیاری جماعت کی نئی نسل کو ایسے مُفید اور کار آمد علم سے آراستہ کر دیا جائے، جو عقل و دانش اور تحقیق و تدقیق سے کام لے کر مہیّا کیا گیا ہو، مگر ہاں، میں اِس بات کو ضرور مانتا ہُوں کہ اس کام کے لئے انتہائی سخت محنت اور جانفشانی کی بہت ہی ضرورت ہے اور اتفاق و اتحاد اور باہمی تعاون لازمی ہے۔

عزیز بھائیو اور بہنو! یہ ایک چھوٹی سی کتاب آپ کے سامنے ہے، جو "حقیقی دیدار" کے نام سے لکھ کر صرف اسماعیلی جماعت کے درمیان

شائع کی گئی ہے، اگرچہ یہ کام کوئی بڑا کارنامہ تو نہیں، تاہم چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کرنے کا یہ طریقہ اس لحاظ سے بہتر ہے کہ ہر خواندہ اسماعیلی اس کو کاملاً پڑھنے کے لئے وقت نکال سکے گا، اب رہا سوال اس کتابچہ کی علمی اہمیت و افادیت کے متعلق، تو یہ آپ خود ہی کتاب کو بغور پڑھ کر فیصلہ فرمائیں اور اگر ممکن ہوا تو اپنے اس علمی خادم کو کوئی مفید مشورہ بھی دے دیا کریں تاکہ مجھے اپنے کام میں مزید تقویت حاصل ہو۔

"حقیقی دیدار" کی اس کتاب کے بارے میں حق بات تو یہ ہے کہ مجھے بہت ہی عمدہ اور بہت ہی پیارے الفاظ میں شکریہ ادا کرنا چاہیئے اُن عزیزوں کا جن کی وجہ سے یہ کتاب مکمل ہو کر شائع ہوئی ہے، وہ ہیں میرے مستقل معاونین جن کے تعاون سے میں کچھ علمی خدمت کر سکتا ہوں، مجھ سے میری اخلاقی اور ایمانی طاقت باصرار یہ تقاضا کرتی ہے کہ میں ان تمام عزیزوں کا پُرخلوص شکریہ ادا کروں جن سے مجھے ہر وقت حوصلہ افزائی ہوتی رہتی ہے، بلکہ وہ اس مقدس خدمت میں میری پشت پناہی کرتے ہیں، مگر افسوس کہ اُن سب کے نام بتانے کے لئے یہاں گنجائش نہیں، ہاں اس دفعہ یہ چھوٹی سی کتاب کس طرح وجود میں آئی اس کا مختصر تذکرہ ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ غالباً ماہِ جنوری ۱۹۷۶ء کی سولہویں تاریخ تھی کہ کسی نیک مجلس کے بعد برسبیلِ تذکرہ میرے محسن اور انتہائی عزیز روحانی بھائی فتح علی حبیب نے مجھ سے ایسی کتاب تیار کرنے کی فرمائش کی، اور میرے جانی دوست نصراللہ راعی قمرالدین کو بھی یہ مشورہ

بہت ہی پسند آیا، بعد ازاں دونوں عزیزوں نے اِس بارے میں جناب شمس الدین اور میرے عزیز برکت علی سے بھی گفتگو کی، کہ اِس کام کی کیا اہمیت و افادیت ہے اور دیدار کے موضوع پر کچھ حقائق و معارف پیش کرنا کس قدر ضروری ہے، وغیرہ۔

چنانچہ میں ان تمام اسماعیلیوں کا قلبی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں جو علم دوست اور حقیقت شناس ہیں، اور درویشانہ دُعا ہے کہ خداوندِ عالم ان سب کو اور ساری جماعت کو حقیقی علم کی دولت سے مالا مال فرمائے اور دونوں جہان کی نیکی و سعادت مندی عطا کرے۔

فقط آپ کا علمی خادم

نصیر الدین نصیر ہونزائی

۲۱ر جنوری ۱۹۷۶ء

دیدارِ مبارک

نہ جانے میرے عزیز دوستوں نے مجھے آج یکایک یہ پیارا سا مشورہ کیوں دیا، کہ میں دیدار کے موضوع پر کچھ اپنے خیالات کا اظہار کروں، اُن کی یہ قابلِ قدر تجویز اور دل پسند و مفید مشورہ شاید اِس لئے تھا کہ ہمارے محبُوب رُوحانی پیشوا و مُقتدا حضرت مولانا دھنی سلامت داتار شاہ کریم الحسینی حاضر امام علیہ الصّلات والسّلام عنقریب یہاں ہمارے پیارے ملک پاکستان میں تشریفِ مبارک لاکر، ہم سب اسماعیلیوں کو اپنے مقدّس دیدار کے شرف سے مشرّف کرنے والے ہیں، چُنانچہ قبل اِس کے کہ میں زمانے کے امام علیہ السّلام کی مُلاقات و دیدار کے فیوض و برکات اور نتائج و ثمرات کا کچھ بیان کروں، مناسب سمجھتا ہُوں، کہ دُنیائے ظاہر سے چند عام فہم مثالیں پیش کروں، تاکہ ہر شخص بآسانی ظاہریت و مادّیت کے اِس پُل سے گزر کر حقیقت و حکمت کے شہر میں پہنچ سکے۔

اِس سلسلے میں اوّلاً اِس سوال کا معقول اور آسان جواب

مہیا ہونا چاہیئے کہ پانچ حواس یعنی دیکھنے، سُننے، سُونگھنے، چکھنے اور چھُونے کی قوّتوں میں سے کون سی قوّت افضل ہے؟ اور دیکھنے کی قوّت کی کیا اہمیّت و فضیلت ہے؟ اور اِس حاسہ (یعنی حس) کی وساطت سے اِنسان کس قدر مسرّت و شادمانی حاصل کرسکتا ہے؟

چُنانچہ اِس بارے میں سب سے پہلے لفظ "دیدار" کی طرف توجہ مبذول کرائی جاتی ہے کہ دیدار ایک فارسی لفظ ہے دید اور دیدن سے، جو درشن اور مُلاقات کے معنی میں مستعمل ہے، لیکن میرے نزدیک اور یقیناً سب کے نزدیک یہ بہت ہی پسندیدہ اور پیارا لفظ ہے، بہت ہی پیارا، اور کیوں نہ ہو، جبکہ یہ اپنے وسیع معنوں میں قدرت و فطرت کے ظاہری و باطنی حُسن و جمال کے مشاہدات پر بولا جاتا ہے، جبکہ یہ عجائباتِ خلقت اور آثارِ رحمت کے نظّارے کا نام ہے، جبکہ یہ عالمِ خواب، عالمِ خیال اور دُنیائے تصوّر و تفکّر کے علاوہ عالمِ رُوحانیت کی تجلّیات و مشاہدات کے لئے استعمال ہوتا ہے، جس میں ہر حسین و جمیل چیز صِبْغَةَ اللّٰهِ ۲/۱۳۸ (خُدا کے رنگ) میں رنگی ہُوئی نظر آتی ہے، اور جبکہ دیدار کا لفظ اپنے انتہائی معنوں میں خُدا تعالیٰ کی پاک مُلاقات کے لئے مستعمل ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اگرچہ ہمارے حواسِ ظاہری پانچ ہیں اور سب سے پہلے ان تمام کا تعلّق مادّی چیزوں سے ہے، لیکن پھر بھی ماننا پڑے گا، کہ ان میں سے بعض افضل ہیں، اور قوّتِ باصرہ

(یعنی دیکھنے کی طاقت) سب سے افضل ہے، کیونکہ اس کی رسائی بے پناہ اور اس کی لذّت گیری لاانتہا ہے، یعنی عجائباتِ قدرت کی رعنائیوں پر نظر ڈالنے اور دُنیا کے خوبصورت و دلکش مناظر کے مشاہدہ کرنے سے جو لذّت و مسرّت حاصل ہوتی ہے اس کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا، باغ میں جا کر طرح طرح کے لذیذ پھلوں میں سے کھائیے، آخر کتنے کھائیں گے؟ گلشن کی طرف قدم بڑھا کر حسین و رنگین پھولوں کی خوشبوؤں کو سونگھ لیجئے، آپ اور زیادہ کتنی خوشبو کو دماغ میں جذب کر سکیں گے، تھوڑی دیر کے بعد ممکن ہے کہ دردِ سر شروع ہو جائے، کیونکہ دماغ کی کوٹھڑی مادّی لحاظ سے محدود جگہ ہے اور اس میں خوشبو کے مزید ذرّات نہیں سما سکتے، لیکن باغ و گلشن کے خوبصورت منظر کا نظارہ و مشاہدہ ایسا تو نہیں کہ وہ آپ کو تھکا دے یا آپ اس سے سیر اور دل برداشتہ ہو جائیں، اس کے علاوہ آنکھ کے عجائب و غرائب میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کی تو بات ہی کیا آنکھ آسمان کو بھی اپنے اندر سما لیتی ہے اور یہ بڑائی سے بڑی چیز کو چھوٹی اور محدود کر سکتی ہے، پس اِس سے معلوم ہُوا کہ آنکھ کی قوّت رُوحانی قوّتوں کے بہت ہی قریب ہے۔

جو افرادِ حقیقی علم والے ہیں، اُن کو یہ بات معلوم ہے کہ انسان میں حواسِ ظاہر کے ساتھ ساتھ حواسِ باطن بھی ہیں اور اُن میں بھی بصیرت یعنی چشمِ باطن کی قوّت سب سے اعلیٰ و افضل ہے، اور یہی سبب ہے کہ قرآنی حکمت میں بہشت کی تمام رُوحانی لذّتوں کی طرف اشارہ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کرنے کے لئے جو عنوان منتخب کیا گیا ہے وہ لقاء اللہ (خُدا کا دیدار) ہے، خواہ دیدارِ الٰہی کی کیفیت و حقیقت کچھ بھی ہو، بہرحال دیدارِ خُداوندی میں جنّت بمع تمام نعمتوں اور مسرّتوں کے سموئی ہُوئی ہے، اور قرآن میں جہاں جہاں بہشت کی تعریف و توصیف بیان ہُوئی ہے، وہ دیدارِ رُوحانی اور تجلیاتِ ربّانی کی تمثیلی وضاحت ہے، اس بیان سے کسی کو یہ خوف بھی نہ لاحق ہو جائے کہ پھر جنّت کا وجُود ہی نہیں، یعنی بہشت ایسی نہیں جیسا کہ اس کا تذکرہ ملتا ہے، نہیں بابا نہیں، رُوٹھو مت، فکر نہ کیا کرو، وہاں عقل و جان کے لئے سب کچھ ہے، مگر رُوحانی اور نُورانی طور پر نہ کہ مادّی اور جسمانی حیثیت میں، کیونکہ وہاں کی ہر چیز، ہر نعمت اور ہر لذّت نُورِ الٰہی کی رنگینی میں رنگی ہُوئی ہے، یا یُوں کہنا چاہیئے کہ جنّت نُورِ مطلق کے گوناگون ظہورات و تجلّیات کا مسکن ہے۔

چُنانچہ دیدارِ پیغمبرِ اکرم صلعم کا ہو یا امامِ زمان علیہ السّلام کا وہ ہر حال میں دیدارِ آخرت اور مُلاقاتِ جنّت کے لئے واحد وسیلہ اور یکتا ذریعہ ہے، یہ دیدار مریدوں کے لئے باعثِ تسکینِ قلب اور موجبِ راحتِ جان ہے، کیونکہ یہ عقیدہ اور یہ تصوّر وجُودِ باری تعالیٰ کے عقیدہ کے تحت ہے، اور اس کی قربت و نزدیکی کے لئے ہے، اس کا مقصد ہے کہ دینِ خُدائی سے رجُوع اور وابستگی ہو، الٰہی ہدایت حاصل ہو اور اس کی اطاعت عمل میں آئے، خُدائے رحمان و رحیم اور حضرت رحمتِ عالم کی رحمتوں اور شفقتوں کا کوئی حصّہ ملے، کیونکہ اس کے حصُول کا یہی وسیلہ ہے۔

عرش اور امامؑ :

جاننا چاہیئے کہ کسی مُقدّس مقام کا طواف کرنا یعنی اِس کے گرد عقیدت و محبّت اور تعظیم و تکریم سے چکّر لگانا، جیسا کہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے، بہت بڑی عزّت و حُرمت ہے، چُنانچہ کتاب "دعائم الاسلام" میں اس کا ذکر ہے کہ فرشتے عرشِ عظیم کا طواف کر لیا کرتے ہیں، اَب یہاں پر ایک معنی خیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا فرشتوں کا یہ طواف فقط عرش کی تعظیم کے طور پر ہے یا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے لئے؟ اس میں اگر جواب یہ ہو کہ یہ طواف خُدا کی تعظیم یا بندگی کے طور سے ہے، تو پھر بھی سوال ہوگا، کہ وہ فرشتے عرش کو اور حَمَلَۃُ العرش (عرش اُٹھانے والے فرشتوں) کو چھوڑ کر صرف خُدا ہی کا طواف کیوں نہیں کرتے، کیونکہ ظاہر ہے کہ رحمان خُدا ہے اور عرش خُدا نہیں، لہٰذا تعظیم و عبادت کسی کی شرکت کے بغیر خُدا ہی کی ہونی چاہیئے؟ اِس کا جواب کوئی شخص نہیں دے سکتا، مگر اہلِ حقیقت یعنی اہلِ تاویل، اور اِس گوہرِ عالی صفات کے ایک پہلو کی تاویلی جھلکیاں یہ ہیں کہ ائمہؑ طاہرین حاملانِ عرشِ عظیم ہیں، نُورِ مطلق جو ان پر قائم ہے عرشِ الٰہی ہے، حقیقتِ توحید رحمان ہے جو نُور پر قائم ہے، اور مومنین کی رُوحیں وہ ملائکہ ہیں جو اِس نُورانی عرش کا طواف کر لیا کرتے ہیں، جیسا کہ مولانا علی علیہ السّلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ :-

اَنَا الَّذِیْ هُوَ حَامِلُ عَرْشِ اللّٰهِ مع الابرارِ مِنْ وُلْدِیْ :-

ترجمہ : میں وہ شخص ہوں جو اپنی اولاد کے نیکوکاروں (یعنی اماموں) کے ساتھ عرشِ خدا کا اُٹھانے والا ہے۔

آدمؑ اور امامؑ :

قرآنِ عزیز سے یہ حقیقت صاف طور پر ظاہر اور واضح ہو جاتی ہے کہ اس دَور کے انسانِ اوّل یعنی حضرت آدم علیہ السّلام میں خُدائے حکیم نے جو اپنی رُوح پھونک دی تھی، وہی پاک رُوح بی بی مریم علیہا السّلام میں بھی پھونکی گئی تھی (دیکھئے قرآنِ مجید کی ۱۵/۲۹، ۲۱/۹۱، ۳۲/۹، ۳۸/۷۲، ۶۶/۱۲) اِس سے معلوم ہُوا کہ جو قدسی رُوح آدم صفیؑ میں جلوہ گر ہُوئی تھی، وہی رُوح تمام انبیاؑ و آئمہؑ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کے مُقدّس سلسلے میں جاری رہتی ہوئی چلی آتی ہے، بلکہ ان کے علاوہ صفِ اوّل کے بزرگانِ دین کو بھی اس پاک رُوح کی روشنی حاصل ہوتی رہی ہے جیسا کہ حضرت مریمؑ کی مثال سے ظاہر ہے کہ آپؑ تو پیغمبر تھیں اور نہ ہی امام، بلکہ ایک صدیقہ یعنی دینی بزرگ تھیں، پھر آپ یہ ضرور باور کریں گے بلکہ یقینی طور پر مانیں گے کہ وہی خُدائی رُوح جس کی وجہ سے آدمؑ مسجودِ ملائکہ ہُوا تھا اَب بھی انسانِ کامل میں موجُود ہے، لہٰذا ہر پیغمبر اور امام تعظیم و تکریم کے لائق ہوتا ہے، اور کسی بھی ہوشمند کی طرف سے ہرگز ہرگز یہ نہیں

کہا جا سکتا کہ انبیاء و اولیاء (ائمہ) کے لئے جو تعظیم کی جاتی ہے، وہ کفر و شرک ہے، جبکہ خدا کی وہ فرمودہ تعظیم اس سے کہیں بڑھ کر تھی، جسے آدم کے لئے فرشتوں نے انجام دی تھی، یہ انسانِ کامل کی عظیم مرتبت کی ایک بنیادی دلیل تھی، اور اس کے بعد قرآن و حدیث اور عقل و نقل کے چند دلائل و براہین آتے ہیں جو پیغمبرؐ اکرم اور امامِ زمانؑ کی عظمت و بزرگی اور توقیر و حرمت سے متعلق ہیں۔

انبیاءؑ اور امامؑ :

ہمارے عقیدے کے مطابق زمانہ دو حصّوں پر منقسم ہوتا ہے، پہلا حصّہ نبوّت کا ہے اور دوسرا حصّہ امامت کا، امامت کے دور میں کوئی امام نبی یا رسول نہیں ہوتا، مگر دورِ نبوّت میں بعض پیغمبر امام بھی ہوئے ہیں، چنانچہ ہم یہاں اُن مشہور پیغمبروں کے اسمائے مبارک درج کرتے ہیں، جو اپنے اپنے زمانے میں امام بھی تھے :-

۱۔ حضرت شیثؑ
۲۔ حضرت ہودؑ
۳۔ حضرت ابراہیمؑ
۴۔ حضرت اسماعیلؑ
۵۔ حضرت اسحاقؑ
۶۔ حضرت یعقوبؑ
۷۔ حضرت یوسفؑ
۸۔ حضرت ایوبؑ
۹۔ حضرت شعیبؑ
۱۰۔ حضرت ہارونؑ
۱۱۔ حضرت یوشع بن نونؑ
۱۲۔ حضرت الیسعؑ

۱۳۔ حضرت داؤدؑ ۱۵۔ حضرت زکریاؑ

۱۴۔ حضرت سلیمانؑ ۱۶۔ حضرت یحییٰؑ

اور ۱۷۔ حضرت شمعون الصّفاؑ

(ملاحظہ ہو کتاب "الامامۃ فی الاسلام" صفحات: ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۳)

چنانچہ مقصد یہ ہے کہ امامؑ کو پیغمبرؐ کی انتہائی قربت و نزدیکی حاصل ہے اور جو مرتبہ رسولؐ سے امامؑ کو ملا ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا، اس سے یہ ثابت ہوا کہ قرآنِ حکیم میں انبیاءِ کرامؑ کے جن اوصاف کمالیہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ آئمہ طاہرینؑ سے بھی متعلق ہیں، پس یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ امام زمانؑ کے مبارک دیدار میں بہت سے فیوض و برکات مضمر ہیں، جن سے ہر مومن بقدرِ ہمت مستفیض ہوتا ہے۔

قرآن اور امامؑ:

قرآنِ مقدّس اللہ تعالیٰ کا کلام حکمت نظام ہے، جس کی تعظیم و حرمت ہر دیندار مسلمان پر واجب ہے، اور اس سلسلے میں جو بھی مناسب آداب قولاً و فعلاً انجام دیئے جائیں وہ مستحسن قرار پائیں گے، بالکل اسی طرح امامِ زمان صلوات اللہ علیہ کی تعظیم و تکریم بھی واجب اور ضروری ہے، کیونکہ آپؑ بحکم ربّ العزّت نہ فقط معلّمِ قرآن کی مرتبتِ عظمیٰ پر فائز ہیں، بلکہ ساتھ ہی ساتھ آنجنابؑ خدائے حکیم

کی کتابِ ناطق بھی ہیں۔

جس طرح قرآنِ عزیز کے تقدّس و شرف کے متعلق یہ ایک صریح گستاخی ہوگی، کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ کر اس کی عزّت و حرمت کا عقیدہ نہ رکھے کہ قرآن اُس مکھی کو بھی نہیں اُڑا سکتا جو اس پر جا بیٹھے، اسی طرح امام عالی مقام کی بشریت کے کسی پہلو پر اعتراض اُٹھانا، اور آنجنابؑ کی تعظیم و تکریم کا قائل نہ ہو جانا کسی انسان کی عقلی کمزوری بلکہ بہت بڑی غلطی ہے۔

قرآن کی مثال از روئے اسلام یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کو بڑی عقیدت و محبت سے اپنانا چاہیئے، سفر و حضر میں ساتھ رکھ لینا چاہیئے، اس کو پڑھنا اور سمجھنا چاہیئے اور پھر اس کے ارشادات کے مطابق عمل کرنا چاہیئے، اسی طرح پہلے پہل امامِ عالی مقامؑ کو اخلاص و یقین سے اپنایا جاتا ہے، اپنے اندر اس کی دوستی و محبّت اور دیدار کا بھرپور جذبہ پیدا کیا جاتا ہے، پھر اس عقیدت مندی و اخلاص کیشی کے نتیجے میں امام برحق علیہ السّلام کی تعلیمات و ہدایات کا نور حاصل ہوتا ہے جس کی روشنی میں خدا و رسولؐ کے احکام پر عمل کر کے ابدی نجات حاصل کی جاتی ہے۔

خانۂ کعبہ اور امامؑ :

خانۂ کعبہ خدا تعالیٰ کا مقدّس گھر ہے، جس کی دلیل بس یہی کافی ہے، کہ پروردگارِ عالم نے اسے اپنا گھر قرار دے کر بہت بڑی عزّت

وحرمت بخشی ہے (۲/۱۲۵، ۲۲/۲۶، ۳/۱۳۶) اب اگر کوئی آدمی اپنی ہی عقل جزوی اور اپنی سی ناقص منطق کے معیار پر پرکھ کر خانۂ کعبہ کی حرمت و تعظیم کو بت پرستی سمجھتا اور اس کی تاویلی حکمتوں کا اقرار نہیں کرتا ہے، تو یہ اس کی کج فہمی اور بہت بڑی جہالت ہوگی، کیونکہ وہ کم از کم یہ باور نہیں کرتا ہے کہ اس میں اللہ کی کوئی حکمت و مصلحت ہوگی۔

اسی طرح امام زمان علیہ السّلام ہیں، کہ آنجنابؑ مقامِ حقیقت پر خانۂ خدا کا رُتبہ عالی رکھتے ہیں، جس کے ثبوت میں قرآن و حدیث اور عقل و دانش کے متعدد روشن دلائل موجود ہیں، اور ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ بموجب: هو الاوّل والآخر والظّاهر والباطن ۵۷/۳ اللہ تعالیٰ کا درجہ ہر عالم میں ثابت اور موجود ہے، چنانچہ عالمِ شریعت میں خدا کا گھر خانۂ کعبہ ہے اور عالمِ حقیقت میں امام زمان علیہ السّلام کی پاک شخصیت حق تعالیٰ کا گھر ہے، کیونکہ شریعت ظاہر ہے اور حقیقت اس کا باطن، اور یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ظاہر میں خدا کا ایک مخصوص گھر ہو اور باطن میں کوئی خاص گھر نہ ہو، بلکہ امر واقعی یہ ہے کہ خانۂ کعبہ مثال ہے اور امام عالی مقامؑ اس کا ممثول، اور کوئی شک نہیں کہ خدا کی حقیقت کی مثال اور اس کا ممثول دونوں چیزیں انتہائی مقدس و متبرک اور لائقِ صد تعظیم ہیں۔

آنحضرتؐ اور امامؑ :

یہاں حکمتِ خداوندی کا یہ خاص اصول خوب یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں بھی امورِ دین کے متعلق آنحضرتؐ سے کوئی ارشاد فرمایا ہے، تو اس میں آنحضورؐ کے علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے وہ تمام وسائل و ذرائع بھی خدا کے پیشِ نظر رہے ہیں، کہ جن سے کام لے کر رسولِ اکرمؐ حال و مستقبل میں دُنیا والوں کی ہدایت و رہنمائی کرنے والے تھے، جس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :-

۱- حق تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ :

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۵۲/۴۲

اور یقیناً (اے رسُول!) آپ راہِ راست کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ اللہ پاک کے اس فرمان سے یہ حقیقت قطعی طور پر فیصل ہو کر واضح ہو جاتی ہے کہ دینِ اسلام کی مستقل ہدایت کا مقدس فریضہ تا قیامت آنحضرتؐ کے ذمّہ ہو گا، اور ظاہر ہے کہ یہ امر صرف اس صورت میں ممکن تھا کہ حضور نبیِّ کریمؐ قرآنِ مُقدّس اور اپنے جانشین یعنی امام عالی مقامؑ کے توسط سے دینی ہدایت کے اس فرضِ منصبی کو انجام دیتے رہیں، الحمد للہ ایسا ہی کیا گیا، اور یہی سبب ہے کہ اسماعیلی امام زمان علیہ السّلام کے امر و فرمان کے ذریعے رسُول کی اطاعت کرتے ہیں۔

۲- سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۳ میں فرمایا گیا ہے کہ : اے رسُولؐ

کفّار کے ساتھ (تلوار سے) اور منافقوں کے ساتھ (زبان سے) جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ظاہر ہے کہ جہاد کا یہ حکم (جَاهِدِ الْكُفَّارَ: کفّار کے ساتھ جہاد کر) لفظی اعتبار سے صرف آنحضرتؐ ہی کو ہے، مگر اس کا مطلب خدا کے نزدیک یہ ہرگز نہیں کہ پیغمبر اکرمؐ یکہ و تنہا کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کریں، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاد کے اس فرمان میں وہ تمام جنگی وسائل اللہ پاک کے پیشِ نظر ہیں جن سے کہ آنحضرتؐ جہاد کر سکتے ہیں، خصوصاً سرداران لشکر جو رسولِ خدا صلعم کی جانب سے مقرر ہوتے تھے، اِس سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ خلیفۂ رسول یعنی امامِ برحقؑ کا ذکرِ جمیل بہت سے قرآنی ارشادات میں اس طرح آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ ہے کہ عوام کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس میں نمائندۂ رسول کا بھی تذکرہ ہے، پس نتیجہ یہ نکلا کہ دینِ اسلام میں پیغمبرؐ کے بعد امامؑ کی تعظیم واجب ہے۔

۳۔ آیۂ نور کا ایک پُرحکمت ٹکڑا جو صرف تین لفظوں پر مشتمل ہے، نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ۲۴/۳۵ ہے، اور اس کے اندر اتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ اُن کے جاننے سے نور کی بہت سی حقیقتیں واضح ہو جاتی ہیں، چنانچہ "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" میں سب سے پہلے یہ اشارہ ہے کہ نور ایک شخصیت کے بعد دوسری شخصیت میں منتقل ہو جاتا ہے، کیونکہ ایک روشنی پر دوسری روشنی کے یہی معنی ہیں، اور یہ بات نہ صرف اِس لئے صحیح ہے کہ پیغمبرؐ اپنے وقت میں نور تھے اور آپؐ کے بعد امام برحقؑ نور قرار پاتے، بلکہ یہ اس لئے بھی درست ہے کہ زمانۂ آدمؑ سے نور کی شخصیتوں کا یہ سلسلہ جاری ہے، پس ظاہر ہوا کہ قرآن اور اسلام کی رُو سے امامِ زمانؑ کی عظمت و بزرگی

مسلّمہ ہے، لہٰذا یہ عقیدہ حقیقت ہے کہ امامِ حاضرؑ کا دیدار پیغمبرؐ کے دیدار کی نمائندگی کرتا ہے اور پیغمبر کا دیدار خدا کے دیدار کا قائم مقام ہے۔

وسیلۂ ہدایت :

جس طرح مذکورۂ بالا مثالوں میں اِس قانونِ الٰہی کی وضاحت کی گئی کہ محمدؐ رسُول اللہؐ نے نہ صرف ذاتی طور پر دینِ الٰہی کی سرپرستی و رہنمائی فرمائی ہے، بلکہ حضورؐ نے بحکمِ خدا کتابِ سماوی اور امامِ برحقؑ کے وسیلے سے بھی اپنے علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے سرچشمے کو دُنیا میں جاری و ساری رکھا ہے، اس کے معنی یہ ہُوتے کہ امام زمانؑ کی ہدایت رسُولِؐ کی ہدایت ہے اور رسُولؐ کی ہدایت خدا کی، جیسا کہ اِس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے :-

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ۲۵/۳۱

اور ہدایت کرنے اور نصرت دینے کے لئے آپ کا پروردگار ہی کافی ہے۔ قرآنِ مقدس کی اس پُرحکمت تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سُنّت و عادت کے مطابق بنی نوعِ اِنسان کی ہدایت کے لئے جو نظام مقرّر فرمایا ہے، وہی نظامِ ہدایت اللہ کا پسندیدہ ہے اور اسی کی یہاں تعریف کی گئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ خُدا کی ہدایت و تائید ہمیشہ ہادیانِ برحقؑ کے وسیلے سے آتی رہی ہے پھر یہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السّلام کی ہدایت خُدا کی ہدایت ہے، کیونکہ وہ

حضرات مامور من اللہ (خدا کی طرف سے امر کئے گئے) اور واصل باللہ (خدا سے ملے ہوئے) کا عظیم مرتبہ رکھتے ہیں۔

اہلِ بیتؑ اور امامؑ :

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہلِ بیتِ اطہار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ :-

وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ لَا یَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلِ الایمانُ حَتّٰی یُحِبَّکُمْ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ :-

ترجمہ : قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی آدمی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ تم (اہل بیت) سے خدا اور اس کے رسول کے لئے دوستی و محبت نہیں کرتا۔

(مفتاح کنوز السنۃ، بحوالہ ترمذی و مسندِ احمد بن حنبل)

اِس حدیثِ شریف سے نہ فقط یہی کہ پنجتن پاک یعنی اہلِ بیت کی دوستی و محبت ضروری و لازمی قرار پاتی ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ زمانے کے امامؑ کی ولایت و دوستی بھی واجب ہوتی ہے، کیونکہ رسولِ کریمؐ کے بعد اہلِ بیتؑ کا مقصد ہی امامِ زمانؑ ہے، ہادیٔ زمانہؑ کی دوستی و محبت کے اس ثبوت کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اِس حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ امامِ برحقؑ کا مبارک دیدار حاصل ہو تاکہ اِس پاک و پاکیزہ دینی محبت میں روز افزوں ترقی ہوتی رہے۔

اِسی طرح حضور انورؐ نے مولانا علیؑ کے بارے میں فرمایا:

لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ

ترجمہ: اس سے دوستی و محبت نہیں کرتا مگر کوئی مومن اور اس سے دشمنی و عداوت نہیں رکھتا مگر کوئی منافق (مفتاح کنوز السنۃ، بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل) یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ جس طرح قرآن حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز پیدا کرنے کے لئے فرقان کی حیثیت سے ہے، اسی طرح علیؑ عالیؑ وہ معیارِ حقیقت ہیں جس کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون۔

آنحضرتؐ کا فرمان اقدس ہے کہ:۔

عَلِیٌّ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یُحِبَّانِہٖ:۔

ترجمہ: علی خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور خدا و رسول علی سے محبت کرتے ہیں (مفتاح کنوز السنۃ، بحوالہ مسند احمد بن حنبل)۔

نیز ارشاد ہے کہ:۔

اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا:۔

ترجمہ: میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

(مذکورہ کتاب بحوالہ ترمذی)

پس جاننا چاہئے کہ جو مرتبت علیؑ کی ہے وہی مرتبت امام زمانؑ

کی ہے، کیونکہ وہی نورِ ولایت جو علیؑ میں تھا اب امامِ حیّ و حاضرؑ میں جلوہ گر ہے۔

متذکرہ بالا احادیثِ شریف اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی حدیثوں سے اہلِ بیتِ اطہارؑ اور امام زمانؑ کی عظمت، و بزرگی اور فضیلت و کرامت ثابت اور مُسلّمہ ہے، اور ان احادیث سے ولایتِ علیؑ سے متعلق آیاتِ قرآنی کی وضاحت ہوتی ہے، پھر اس میں کسی دیندار کو کیا شک ہو سکتا ہے کہ امام علیہ السّلام کی محبّت و دوستی اور دیدار پاک کے نتائج و ثمرات کے باب میں پُوچھے؟ مگر ہاں، پُوچھنا کچھ اس انداز میں صحیح اور مُفید ہے کہ جس سے اس کے علم و معرفت میں اضافہ ہو، بہرحال اَلحمدُ للّٰہ کہ حقیقی مومنین اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبُوب رسُول صلعم کے منشاء و مقصد کے مطابق امامِ زمانؑ سے جیسا کہ چاہئے دوستی و محبّت رکھتے ہیں، اور ہر وقت اِس شاہِ ولایت اور نُورِ ہدایت کے مبارک و مقدّس دیدار کے بے حد خواہشمند اور مشتاق رہتے ہیں۔

مومن کا دِل اور امامؑ :

ارشادِ نبویؐ کے مطابق بندۂ مومن کا دل خُدا تعالیٰ کا عرش (یعنی تخت) ہے، لیکن یہاں سوچنے کی خاص بات یہ ہے کہ مومنین نورِ ایمان کی کمی بیشی کے لحاظ سے مختلف مراتب پر ہیں اور اس سلسلے میں یہ کہنا بالکل حقیقت ہے کہ پیغمبر اور امام (صلوات اللہ علیہما)

نورِ ایمان کے درجۂ کمال پر ٹھہرے ہوئے ہیں، لہٰذا ان دونوں انتہائی بزرگ ہستیوں کا قلبِ مبارک صحیح معنوں میں اور جیسا کہ چاہئے خداوندِ عالم کا عرش ہے، اور واقعاً اللہ پاک کا رُوحانی، نورانی اور عرفانی عرش یہی ہے، پس اِس سے ظاہر ہُوا کہ امامِ زمانؑ کے دیدارِ مقدس میں بہت سی برکتیں پوشیدہ ہیں۔

اطاعت، محبّت اور دیدار:

جیسا کہ آیۂ اطاعت (۴/۵۹) سے ظاہر ہے کہ سب سے پہلے خُدا کی اطاعت ہے، پھر رسُولؐ کی، اور اس کے بعد اولوالامرؑ (یعنی ائمۂ طاہرین) کی، مگر سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری پیغمبرؐ کے بغیر محال و ناممکن ہے، اور حقیقت میں پیغمبرؐ کی اطاعت امامِ زمانہؑ کے بغیر غیر ممکن ہے، اِسی لئے زبانِ حکمت سے فرمایا گیا ہے، کہ خُدا کی محبّت پیغمبرؐ کے توسط سے اور آنحضرتؐ کی محبّت امامِ وقتؑ کے ذریعے سے حاصل آتی ہے۔ پھر اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف اطاعت و محبّت کی یہ مثال ہے، بلکہ خُدا کی ملاقات اور دیدار کا سبیل بھی یہی ہے، کہ امامِ حیّ و حاضرؑ کے مبارک دیدار کے وسیلے سے پیغمبرؐ اور خُدا کی مُلاقات و معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔

وسیلہ اور دُعا :

۱۔ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۴ میں زمانۂ حیاتِ رسُولؐ کے کچھ لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :۔

اور اگر یہ لوگ اُسی وقت جبکہ اُنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تمہارے پاس آتے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور رسُول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتا تو یہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پاتے۔

۲۔ اِس حُکمِ الٰہی سے یہ مطلب صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہادیٔ برحقؑ کے حاضر و موجُود ہونے کی کیا اہمیت ہے اور مومنین کے لئے ان کی پاک و پاکیزہ دُعا کا وسیلہ کس قدر ضروری ہے، اور یہ ایک واضح اشارہ ہے اس حقیقتِ حال کی طرف کہ جب مُرشدِ کامل یعنی امامِ زمانؑ کا دیدار میسّر ہوتا ہے تو اس وقت بعض مومنین کے دل معجزانہ طور پر پگھل جاتے ہیں، اور بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسُو جاری ہونے لگتے ہیں، ایسے خُوش قسمت مومنین کی یہ ظاہری و باطنی کیفیت خُدا کے حضور میں صرف توبہ اور خصوصی دُعا کی حیثیت سے پیش ہوتی ہے، بلکہ پروردگارِ عالم کی اِس عظیمُ الشان نعمت کے لئے شکرگزاری کی عملی صورت بھی یہی ہے، اور یہ تمام برکتیں اور سعادتیں دراصل دیدارِ پاک کی وجہ سے ہیں۔

۳- جب بندۂ مومن حق تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں مصروف ہوجاتا ہے، تو وہ اللہ پاک کی حمد و ثنا اور ذکر و عبادت کے لئے بہت عام اور معمولی چیزوں کا سہارا لیتا ہے، مثلاً اس کی آواز کی یہ کیفیت ہوتی ہے، کہ وہ سب سے پہلے سانس کے ذریعے سے ہوا کو پھیپھڑے میں بھر لیتا ہے، پھر حلق، زبان، تالو، دانتوں اور ہونٹوں کی مدد سے اِس جمع آور دہ ہوا کے حروف اور الفاظ بنا کر اُن کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ انسان جو خود بھی مخلوق ہے وہ مذکورہ طریق پر سانس یعنی ہَوا اور آواز سے حروف کی تخلیق کر کے اِس کے وسیلے سے خُدا کی عبادت کرتا ہے، اِس سے یہ حقیقت ظاہر ہُوئی کہ وہ دین و دُنیا کے ہر نہر مقام پر وسیلہ کے لئے سخت محتاج ہے، اور اس کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا، لہٰذا دینی امور میں اسے ہادیٔ برحقؐ سے ہمیشہ رجوع ہونا چاہیئے۔

دیدارِ خُداوندی :

۱- اگرچہ یہ بات قرآنِ حکیم کی ایک اساسی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس بے چون و بے چگون ہے، تاہم یہ بھی خُداوند تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے، کہ نہ صرف عالمِ آخرت ہی میں بلکہ دُنیا کی اُونچی رُوحانیت میں بھی خُدائے رحمان کے دیدارِ پاک تک رسائی ہو سکتی ہے، اور ہم یہاں اِس مسئلہ سے بحث نہیں کرتے ہیں،

کہ ایسا ربّانی دیدار کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ کسی وسیلے اور واسطے سے یا براہِ راست؟ بہرحال دیدارِ خداوندی حق ہے، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ :-

۲- اُس دن کچھ چہرے ہشاش بشاش ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے ۷۵/۲۳-۲۲، پس قرآنِ حکیم کی اس بابرکت تعلیم کی روشنی میں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آئی کہ دینِ اسلام میں پیغمبر اور امام (صلوات اللہ علیہما) کے مبارک دیدار کی اہمیت اِس لئے ہے، کہ جس طرح ان کی اطاعت و محبّت خُدا کی اطاعت و محبّت ہے، اسی طرح ان کا مقدس دیدار بھی خُدا تعالیٰ کا پاک دیدار ہے، اور اسی معنیٰ میں حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَأَ اللہ (یعنی جس نے مجھے دیکھا تحقیق اُس نے خُدا کو دیکھا)

۳- سورۃ اعراف کی آیت ۷۹ میں بزبانِ حکمت ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہادیٔ برحقؑ سے دوستی و محبّت نہ کرنا نصیحت و ہدایت سے انکار کرنے کا سبب بن جاتا ہے، کیونکہ انسان کی فطرت کی یہ خاصیت ہے، کہ کوئی آدمی کسی معلّم کی تعلیم یا کسی ناصح کی نصیحت کو اور خصوصاً مذہبی باتوں کو صرف اسی وقت قبول کر سکتا ہے، جبکہ یہ اُس سے عقیدت و محبّت رکھتا ہے، اور اگر رُشد و ہدایت کے سامنے مخالفت و عداوت کی دیوار کھڑی کر دی گئی ہو تو تعلیم و نصیحت آگے

نہیں بڑھ سکتی ہے۔

۴۔ یہ وضاحت دینی تعلیمات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت براہِ راست حاصل نہیں ہوتی، بلکہ یہ پیغمبرؐ کے وسیلے سے میسّر ہوتی ہے اور آنحضرتؐ کی اطاعت و محبّت کے لئے بھی وسیلہ چاہیئے، اور وہ وسیلہ امامِ زمانؑ ہیں، جو دُنیا میں حاضر اور موجود ہیں، جن کی محبّت تمام دینی محبّتوں کی اصل و اساس کی حیثیت سے ہے، کہ اس کے نتیجے میں رسُولؐ کی پھر خدُا کی محبّت حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ قرآن کہتا ہے کہ خدُا نے مومنین کو ایمان کی محبّت عطا کی ہے، یعنی ایمان مومنین کے لئے بہت ہی عزیز اور محبُوب قرار دیا ہے، اور اس کا اشارہ یہ ہے کہ پیغمبر اور امام (صلوات اللہ علیہما) جو ایمانِ مجسّم ہیں، اُن سے دوستی اور محبّت کی جاتے۔

۶۔ سرورِ انبیاء حضرت محمّد مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ :۔

مَنۡ رَاٰنِیۡ فَقَدۡ رَاَ اللّٰہَ : یعنی جس نے مجھے دیکھا اُس نے گویا خدُا تعالیٰ کو دیکھا، حضور اقدسؐ کا یہ مبارک ارشاد عظیم حکمتوں سے پُر ہے، منجملہ ایک یہ کہ اس فرمانِ نبوی سے اس امر کا ثبُوت مِلتا ہے کہ رسُولِ اکرمؐ اپنے وقت میں خدُا کا چہرہ تھے، جس طرح آیۂ بیعت ۱۰/۴۸ کی روشنی میں آپؐ کے دستِ خدُا ہونے میں کوئی شک نہیں، اسی طرح بلا شک حضرتؑ وجہ اللہ (چہرۂ خدُا)

کا بزرگ درجہ رکھتے تھے، اور آپؐ کے بعد ائمہ طاہرینؑ بھی اپنے اپنے زمانے میں چہرۂ خدا کے درجے میں ہیں، پس اس روشن حقیقت کے جاننے سے حقیقی مومنین کو بے حد خوشی ہوگی کہ امام زمانؑ کے مقدس دیدار کے لئے وہ جس قدر مشتاق رہتے ہیں اس قدر ان کے ایمان کی روشنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

۷۔ خطبۃ البیان یعنی کلام مولا علی میں ارشاد ہے کہ:۔

اَنَا وَجْهُ اللّٰهِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

یعنی میں خدا کا چہرہ ہوں آسمانوں میں بھی اور زمین پر بھی، اس ارشاد کی تاویلی وضاحت اس طرح سے ہے کہ رسول اور امام (صلوات اللہ علیہما) خدا کا چہرہ اس معنیٰ میں ہیں کہ وہ حضرات عالم دین میں خدا کے خلیفہ اور نائب ہیں، انہی کی شناخت و معرفت سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ انہی کے دیدار کے وسیلے سے حق تعالیٰ کا دیدار ہوتا ہے اور انہی کی محبت میں پروردگار عالم کی محبت پنہان ہے، پس دیدار الٰہی کا یقینی وسیلہ لقاء اللہ کا پہلا مرحلہ ہے، لہٰذا یہ مرحلہ دوم کا نائب مناب ہے، یعنی پیغمبرؐ اور امامؑ کا دیدار حق تعالیٰ کے دیدار کا قائم مقام ہے۔

۸۔ اگر یہ حقیقت تسلیم کرلی جائے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، کیونکہ اسے کائنات و موجودات کی تمام چیزوں پر فضیلت و کرامت دی گئی ہے، پھر لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ انسانِ کامل بنی نوع انسان

میں سب سے اشرف و افضل ہے اور نیک اِنسانوں کی رُوحیں حسبِ مراتب فرشتے اور رُوحانیین ہیں، تو اِس صُورت میں یہ بھی ایک حقیقت ہوگی، کہ پیغمبرؐ اور امامؑ جو انسانِ کامل ہیں، وہ حق تعالیٰ کی قُربت و نزدیکی کے درجۂ انتہا پر ہیں، بالفاظِ دیگر یُوں کہنا چاہیئے کہ وہ حضرات تو فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کی کیفیت میں ہُوا کرتے ہیں، اگر وہ صاحبان اس طرح خُدا سے واصل نہ ہُوتے ہوتے اور راہِ خُدا کی تھوڑی سی بھی مُسافت باقی رہی ہوتی تو پھر اس صُورت میں وہ کِس طرح لوگوں کے حقیقی رہنما بن سکتے، پس ظاہر ہُوا کہ اِنسان کامل کو کُلّی طور پر خُدا تک رسائی حاصل ہوتی ہے، لہٰذا امام زمانؑ کے دیدارِ فیض آثار کی سعادت لازمی شے ہے، تاکہ مومنین بطورِ کامل اپنے مولا و آقاؑ کے حضور سے دُعائے برکات حاصل کر سکیں۔

"اَنا" اور "فنا"

حقیقی دیدار کے اِس دلکش و دِلپسند موضوع کے آخر میں مناسب ہے کہ "اَنا" اور "فنا" کے بارے میں بھی چند حقیقتوں کی وضاحت کر دی جائے، کیونکہ رُوحانی معشوق کے مبارک و مُقدّس دیدار اور مُلاقات کا مُفید ترین نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے کہ مُحبِّ صادق کی اَنا (خودی) محبُوبِ حقیقی کی حقیقت میں محو اور فنا ہو جائے، اور یہ سب سے عظیم سعادت صرف اِس صُورت میں میسّر اور حاصل ہو سکتی ہے، جبکہ کوئی دانشمند مومن علم و عمل کا پُورا پُورا سہارا لیتا ہے۔

اَنا و فنا کے موضوع کے کئی پہلُو ہیں، لہٰذا اِس سلسلے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن ہم یہاں اپنے قارئین کی سہولت و آسانی اور دلچسپی کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے موضوع کے اُس رُخ کو سامنے رکھنا چاہتے ہیں، جس کی وضاحت کے دَوران سخت الفاظ اور مشکل اصطلاحات کے استعمال کی ضرورت نہ ہو، چُنانچہ اَنا یا اَنائیت کا مطلب ہے اِنسان کی خودی جس کی طرف "میں" کہہ کر اشارہ کیا جاتا ہے، اور فنا کی مُراد ہے اِس انائیت و خودی کو مذہب کے خصُوصی احکام کے تحت مٹا دینا، تاکہ مومن ہر قسم کی خامیوں اور کوتاہیوں سے نجات پا کر "رفیقِ اعلیٰ" سے

واصل ہو جاتے۔

آدمی کی اناتے سفلی صرف اس وقت فنا ہو سکتی ہے، جبکہ وہ حقیقی محبت سے سرشار ہو کر دینی مقاصد کی تکمیل کی خاطر جسم و جان اور عقل کی قربانیاں پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، کیونکہ اَنا کا قیام و بقا انسان کی ہستی پر ہے اور یہ ہستی انہی تین چیزوں کا مجموعہ ہے، لہٰذا قربانی و فنائیت اس اعتبار سے تین قسموں میں ہے، یعنی جسمانی، رُوحانی اور عقلی فنا۔

اگر حقیقی مومن کسی قسم کے دکھاوے کے بغیر ہمیشہ اپنے جسم کے ذریعے پُرخلوص جسمانی خدمات سے دین کو تقویت پہنچاتا ہے، تو نتیجے کے طور پر اس کی اَنا، خودی اور خود نمائی ختم یا کمزور ہو جاتی ہے، اسی طرح عبادت و ریاضت، ذکر و فکر اور حقیقی محبت میں گریہ و زاری کرنے سے بھی اَنا کی محویت و قربانی ہو جاتی ہے اور یہ رُوح کے وسیلے سے ہے، اور عقل و دانش کی مخلصانہ قربانیوں سے بھی یہی مقصد حاصل ہو سکتا ہے، جس کے معنی ہیں دماغی اور ذہنی طور پر قوم اور جماعت کی خدمات انجام دینا اور خود کو عاجز و ناچیز سمجھ لینا، تاکہ اَناتے سفلی کا تصور ختم ہو کر جماعتی اور کلّی رُوح کی زندگی حاصل ہو۔

دینِ اسلام میں اللہ تعالیٰ کی جو بے پناہ رحمتیں میسّر ہیں ان میں ایک عظیم اور خاص رحمت یہ ہے کہ مذکورہ قربانیوں ہی کی طرح مومن کی بے لوث مالی قربانی سے بھی اَنائیت و خودی کو مٹانے یا پاک و پاکیزہ کرنے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے، اور اس قربانی کی اتنی بڑی اہمیت

اِس لئے ہے کہ اس کے برعکس کثرتِ مال کی خواہش اور بخالت کی وجہ سے اِنسان کے اندر خود پسندی، خود نمائی، خود غرضی، دُنیا پرستی، عیاشی اور معصیت جیسی بہت سی بُرائیاں جنم لیتی ہیں، جن کے نتیجے پر اس میں جذبۂ ایثار و قربانی اور محویت و فنائیت کا کوئی مادّہ پیدا نہیں ہوسکتا، لہٰذا ان نفسانی بیماریوں کا سدِّباب اور علاج صرف اور صرف مالی قربانیوں ہی سے ممکن ہے۔

قرآنِ حکیم کا مُقدّس ارشاد ہے کہ:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۲۸/۸۸

اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اسی کی حکومت ہے اور تم لوگ اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اہلِ دانش کے نزدیک اِس آیتِ پُرحکمت کا مفہوم یہ ہے کہ مومن صرف اس وقت اپنی اصلیت و حقیقت یعنی اُنائے عُلوی میں زندہ ہوکر دیدارِ الٰہی (وجہ اللہ) کے قابل ہوجاتا ہے، جبکہ فنائے اختیاری یا فنائے اضطراری (موت) سے اس کے وجُود و ہستی کی ہر چیز فنا ہوجاتی ہے، ورنہ ہر شی (جیسے جسم، رُوح اور عقل، جو تزکیہ و تحلیل کے بغیر ہو) اس کے سامنے پردہ بنی ہُوئی رہتی ہے، اور اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ: تم (طبعی طور پر) مرنے سے پہلے ہی (نفسانی طور پر) مرجاؤ۔ تاکہ اِس اختیاری فنائیت کے وسیلے سے تم خُدا سے واصل ہوسکو۔

صوفیوں کے بقول محویت و فنائیت کے لئے تین درجات مقرر ہیں: اوّل فنا فی الشیخ، دوم فنا فی الرسُولؐ، سوم فنا فی اللہ، یہ تصوّر اہلِ

حقیقت کے نزدیک بھی بہت پسندیدہ ہے، مگر اس میں ایک بُنیادی بات یہ ہے کہ جس پاک و پاکیزہ شیخ (پیر و مُرشد) میں مومن کو فنا ہو جانا چاہیئے، وہ صرف اور صرف زمانے کا امام علیہ السّلام ہی ہے، جس طرح آیۂ اطاعت کا پاک مُحکم ہے کہ: اے ایمان والو! خُدا کی اطاعت کرو اور پیغمبر کی اطاعت کرو اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تُم میں سے ہیں ۴/۵۹ چُنانچہ اسی اطاعت کے حکم میں انہی تین مراتب کی پُرحکمت محبت اختیار کر لینے اور درجہ بدرجہ ان میں فنا ہو جانے کا واضح منطقی اشارہ موجُود ہے، کیونکہ فنائیت محبت کا اور محبت اِطاعت کا لازمی نتیجہ ہُوا کرتی ہے۔

سورۂ رحمان جو عروس القرآن ہے اس کے دُوسرے رکوع کے شروع ہی میں فنا کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ رُوئے زمین کی ہر مخلوق کے فنا ہو جانے اور پروردگار کی ذات (جو عظمت و بُزرگی والی ہے) کے باقی رہنے کو جنّ و انس کے لئے عظیم ترین نعمت قرار دی گئی ہے، اس سے یہ حقیقت صاف طور پر روشن ہو گئی کہ عجز و انکساری سے انانیت و خودی کو مٹا مٹا کر فنا کر دینا اور محبُوبِ حقیقی میں زندہ ہو کر ابدی طور پر باقی رہنا ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

حضرت مولانا امام سُلطان محمّد شاہ صلوات اللہ علیہ نے اپنی کتاب آپ بیتی کے خاتمہ پر مختصراً مگر انتہائی جامع اور پُرمغز و پُرحکمت انداز میں محبت، محویت، خود فراموشی اور فنائیت کا تذکرہ فرمایا ہے، آپ کے اِس مبارک و مُقدّس ارشاد کی روشنی میں غور سے دیکھا جائے تو مقصدِ حیات کے عظیم بھیدوں کا پتہ چلتا ہے اور منزلِ مقصود کی نشاندہی ہوتی ہے۔

Table of Contents

[illegible]